نصیحت و خیر خواہی

ولید شبلی
ترجمہ: خدا بخش کلیار

باہم نصیحت (تواصی) دعوت دین کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے اور سب سے زیادہ حساس بھی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ اُمت مسلمہ کے مقصدِ وجود سے مشروط ہے۔ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (ال عمران ۳:۱۱۰) ''تم اس دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''۔ چنانچہ اس کے اس مقام و منزلت کی بنا پر اس کو فریضۂ اقامت دین میں سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ لہٰذا جہاں اس سے صحیح کام لیا گیا' وہاں دعوت کا عمل مؤثر انداز میں آگے بڑھا اور وہ بارآور بھی ہوا' اور جہاں اس سے پہلوتہی کی گئی وہاں معاملہ اس کے برعکس رہا۔

اھمیت

اس کی اہمیت زندگی کے مختلف دائروں' حکومت' فوج' میدانِ سیاست اور ایسے ہی دیگر میدانوں سے مربوط ہونے کی بنا پر دوچند ہے۔ لہٰذا نصیحت اور خیر خواہی کے عمل کا صحیح فہم و ادراک ہمارے لیے بے حد ضروری ہے تاکہ حق کی نصیحت اور دعوت الی الخیر کا فریضہ بطریق احسن انجام دیا جاسکے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ دعوت کے منافی ہر موقع سے بچتے ہوئے کیسے ہم ایک دوسرے کو مؤثر نصیحت کریں؟ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ کس موقع پر نصیحت واجب ہے اور کہاں اس کی پذیرائی ہوگی' کون سا اسلوب سب سے مؤثر ہے' اور اس کے لیے کون سا وقت مناسب ہے اور دعوت کے عمل پر اس کے مثبت یا منفی اثرات کس حد تک ہوں گے۔

اسلام میں ایک دوسرے کو نصیحت اور حق کی تلقین کوئی نفلی کام نہیں ہے بلکہ وہ شرعی، دعوتی اور تحریکی کام کا ایک اہم عنصر ہے۔ ابن ماجہ نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، آپؐ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو، اس سے قبل کہ تم دعا کرو اور میں قبول نہ کروں' تم سوال کرو جسے میں پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد مانگو اور میں تمھاری مدد نہ کروں''۔

دعوت کے لحاظ سے اسلام نے اسے فرد کی ذمہ داری قرار دیا ہے کہ جب بھی اس کا موقع میسر آئے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ آگے بڑھے، نصیحت کرے، اور خود بھی نصیحت کو قبول کرے اور بھلائی پر مشتمل اپنی رائے کا اظہار کرے۔ یہ ایک عظیم اصول ہے۔ نصیحت کو کسی ایک گروہ تک محدود نہ رکھا جائے کیوں کہ نصیحت سے تو کوئی بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اللہ کا فرمان ہے: وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ (العصر ۱۰۳:۱-۳) زمانے کی قسم، انسان درحقیقت خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

کسی بھی دعوت کی نشوونما اور اس کا موسم بہار بلکہ اس کی بقا کئی ایک عوامل کی مرہونِ منت ہوتی ہے، اور ان میں سے ایک اہم عمل ایک دوسرے کو نصیحت ہے۔ جب باہمی نصیحت ایک صحت مند دائرے میں دی جائے، اسے مطعون نہ کیا جائے، اور اسے نظامِ غالب سے خروج کی کوئی قسم نہ سمجھا جائے، اور وہ جاری رہے تو کام فروغ پائے گا، برگ و بار لائے گا اور اسے اکھاڑ پھینکنا مشکل ہوگا۔

ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ جب وہ کسی فرد میں، جماعت میں، نظام میں یا ریاست میں کوئی عیب یا انحراف دیکھے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل میں حقِ وصیت ادا کرے۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (ال عمران ۳:۱۰۴) "تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے"۔

ایک بیدار مغز قیادت کا فرض ہے کہ دعوت کے کسی بھی عمل میں نصیحت کو قبول کرے۔ وہ قرآن سے آئے، تنقید سے آئے یا ادراک زمانہ سے۔ اس پر لازم ہے کہ مخالف آرا کو مناسب مقام دے، ان کی قدر کرے اور خواہ وہ کیسی ہی ہوں انھیں احمقانہ قرار نہ دے۔ اختلاف کے باوجود دوسری رائے کا قبول کرنا، اور اس کا احترام، کام کے فروغ اور اس کے استقرار کے عوامل میں سے ایک اہم عمل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں کوئی غیبی اشارہ اور متعلقہ مسئلے کے لیے کوئی رہنمائی اس ذات کی طرف سے ہو، جس کے ہاتھ میں عمل کا نتیجہ ہے۔ ہر تنقید نقصان دہ یا معیوب نہیں ہوتی۔ دوسری رائے کو سننا، اسے اپنانا اور اس میں موجود خیر کو اخذ کرنا، مسلمان کے لیے اہمیت اور افادیت کا حامل ہے۔

دوسری رائے کو نہ سننا اور اس کے مفید پہلو کو قبول نہ کرنا، رائے کو روک دینے کی ایک صورت ہے۔ قساوت قلبی کے یہی معنی ہیں۔ یہ عقل کی گمراہی پر منتج ہوسکتا ہے۔ جب اصحابِ فہم و فراست میں سے آخری فرد گمراہ ہو جائے تو پھر اللہ ہی جانتا ہے کہ اس سے کس قدر ناانصافی اور انحراف واقع ہوگا۔ لہٰذا ہر فرد پر باہمی نصیحت کو اپنانا لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں، اپنی شخصیت میں اور اپنی سرگرمی میں اپنا رجوع دعوت و شریعت کی طرف رکھے۔

وہ قیادت جو فکری راہ نمائی کے منصب پر فائز ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ نصیحت، تنقید اور ادارے کی طرف سے اختلافِ رائے کی حوصلہ افزائی کرے اور دعوت کے حوالے سے جملہ قوتوں سے استفادہ کرے۔ وہ کسی ایک کو بھی اظہار سے نہ روکے، خواہ اس کی کوئی بھی رائے ہو۔ اس کا شعار یہ ہو کہ "تمھارے اندر کوئی بھلائی نہیں اگر تم یہ بات (بطور نصیحت یا تنقید) نہ کہو، اور ہمارے اندر کوئی بھلائی نہیں اگر ہم اسے نہ سنیں"۔ (قول حضرت عمرؓ)

پس ہوش مند قیادت پر واجب ہے کہ وہ باہمی نصیحت کو اس کا اصل مقام دے، اسے اپنے افراد کے دلوں میں پختہ کرے' اور اس بارے میں ان کی تربیت کرتی رہے۔ قیادت اور افراد کو باہم اس طرح مربوط ہونا چاہیے جس طرح کہ اعصاب جسم کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں تو جسم مفلوج ہو جاتا ہے۔

شرائط و آداب

نصیحت و خیر خواہی کے لیے متعدد شرائط ہیں جنھیں ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

درست نیت: ہر نصیحت کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ بطریق احسن نصیحت کرے اور جسے نصیحت کی جائے وہ اسے بطریق احسن قبول کرے۔ نصیحت صرف اور صرف اللہ وحدہ کے لیے ہو اور اس میں کسی دنیوی غرض کی ملاوٹ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ○ (الکہف ۱۸:۱۱۰) ''پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے''۔ لہٰذا نصیحت کو شرح صدر کے ساتھ قبول کیا جائے اور اچھے پہلو کو ہی پیش نظر رکھا جائے' نیت پر شک نہ کیا جائے۔

خلوصِ نیت: جو شخص نصیحت کرے اسے چاہیے کہ وہ خلوصِ نیت کو بدرجہ اتم ملحوظ رکھے۔ رسول اللہؐ کا ارشادِ گرامی ہے: ''یہ بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی سے ایسی بات کرے جسے وہ سچ سمجھے' جب کہ تو نے اس کے ساتھ جھوٹ بولا ہو''۔ جب مسلمان کی پوری زندگی سراپا صدق و دیانت ہے تو نصیحت کی حالت میں تو سچائی واجب تر ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ صحیح ہے تو اس میں خیرکثیر ہے' اور اگر وہ جھوٹ اور دھوکے پر مبنی ہے تو یہ باعثِ فساد بھی ہے اور خیانت کی ایک شکل بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ !

مؤثر دعوت: سلف کا قول ہے: ''کامل ترین اسلوب کے ساتھ نصیحت کرو، اور نصیحت کسی بھی اسلوب میں ہو اسے قبول کرلو''۔ لہٰذا نصیحت کے لیے بڑا مثالی اسلوب اختیار کیا جانا چاہیے۔ اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ وہ علیحدگی میں ہو' نرمی و خیر خواہی کے ساتھ ہو' اور اس میں احساسِ برتری کا کوئی شائبہ تک نہ ہو۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ○ (آل عمرٰن ۳:۱۵۹) ''پیغمبرؐ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعاے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، کہ جب تمھارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو' اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں''۔

حقیقت پسندی: یہ ناگزیر ہے کہ ہماری نصیحت مبنی بر حقیقت ہو۔ کسی معمولی بات کو نہ تو ہم اہم بنا کر پیش کریں اور نہ کسی اہم بات کو غیر اہم۔ معاملے کی اہمیت کا اندازہ اس کے تناسب سے ہی لگائیں۔ ہمیں اسے پیش کرنے، یا اس کی تردید کرنے میں انتہاپسندی اور مبالغہ آرائی سے اجتناب کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہماری نظر میں رہے: وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۗ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ (الشوریٰ ۴۲:۱۰) ''تمھارے درمیان جس معاملے میں بھی اختلاف ہو، اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں''۔

کھلے دل سے قبولیت: جب تک نصیحت کا معاملہ شریعت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے دائرے میں ہو، ہمیں چاہیے کہ ہم اسے شرحِ صدر کے ساتھ قبول کریں اور سیدنا عمرؓ کا اتباع کریں۔ انھوں نے فرمایا: ''لوگوں میں سے سب سے زیادہ میرا پسندیدہ وہ شخص ہے جو میرے عیب مجھے تحفے میں بھیجے''۔

امام شافعیؒ نے فرمایا: ''میں نے کبھی کسی سے اس خواہش کے ساتھ بحث نہیں کی کہ اس سے کوئی غلطی سرزد ہو، اور میں نے کبھی کسی سے گفتگو نہیں کی مگر یہ چاہتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ میری اور اس کی زبان پر حق کو ظاہر فرمادے۔ اور میں نے کبھی کسی پر حق اور حجت وارد نہیں کی اور اس نے مجھ سے اسے قبول کرلیا ہو، مگر یہ کہ مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھے اور میں اسے محبوب ہوں۔ اور جب بھی کبھی کسی نے حق کے معاملے میں مجھے بڑا سمجھا تو وہ میری نظروں سے گر گیا اور میں نے اسے دھتکار دیا۔ مجھے یہ بات محبوب ہے کہ لوگ میرے علم سے فائدہ اٹھائیں اس کے بغیر کہ اس میں سے کچھ بھی میری طرف منسوب کیا جائے''۔

اثرات ونتائج

جب ایک دوسرے کو نصیحت کی ادائیگی صحیح طریقے اور مذکورہ امور کا خیال رکھ کر کی جائے گی تو اس سے عمدہ نتائج برآمد ہوں گے۔ ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

کام کا فروغ اور اہداف کا حصول: وہ عمل جو نصیحت وخیرخواہی کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جائے گا وہ بہتر اہداف حاصل کرے گا اور زیادہ موثر ثابت ہوگا۔ یہ اس لیے کہ تمام کے تمام افراد دعوت کے میدان میں ایک شخص کے دل کی طرح ہوتے ہیں اور ان کے مابین مادی یا نفسانی پردے حائل نہیں ہوتے۔

بہتر فیصلے تک رسائی: باہمی نصیحت کے نتیجے میں کسی بھی مسئلے کے بارے میں قیادت کے سامنے مختلف آرا کے سامنے آنے سے کسی بھی پالیسی یا نقطۂ نظر کے مختلف پہلو سامنے آجاتے ہیں جس سے کسی بہتر فیصلے پر پہنچنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔ مختلف افراد کی رائے سامنے آنے کا یہ بھی ایک فائدہ ہوتا ہے کہ ہر فرد اپنا کارِ منصبی اطمینان اور شرحِ صدر کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ نیز وہ اپنے ماہرانہ مشوروں سے اپنی قیادت کے نظم ونسق کے تحت اور اس کی مدد کے ساتھ اپنی ہمہ پہلو صلاحیت کو بروے کار لاتے ہوئے عمل کرتا ہے اور قیادت کی صحیح اور مناسب فیصلہ کرنے میں معاونت کرتا ہے۔

اگر کسی وجہ سے کسی مسئلے پر اختلافِ رائے ہوجائے لیکن اگر افہام وتفہیم اور ایک دوسرے کو جذبۂ خیرخواہی کے ساتھ حق بات کی نصیحت اور صبر کی تلقین کی روح رائج ہو، اور معاملات میں صدق و دیانت اور شفافیت مقصود ہو تو اختلافِ رائے کا مسئلہ حل ہوسکتا ہے، تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ مخالفانہ رائے کو نہ دبایا جائے بلکہ نقطۂ نظر کو جانا جائے۔ البتہ اس کا اہتمام ہو کہ چھوٹا بڑے کا احترام کرے اور بڑا چھوٹے سے شفقت کا مظاہرہ کرے، اور جب مسئلے کی کوئی راہ نکل آئے تو پھر اس پر شرحِ صدر ہونا چاہیے۔ دوبارہ اسے اچھالا نہیں جانا چاہیے، اور اختلاف کو وہیں دفن کر کے متفقہ فیصلے کو لے کر چلنا چاہیے۔ اس طرح سے اختلافی مسائل کا بخوبی احاطہ کیا جاسکتا ہے۔

روحِ رفاقت کو تقویت: جب ہر فرد کے پیشِ نظر اللہ کی رضا کا حصول ہو، اور افراد اور قیادت کے مابین خیرخواہی کا جذبہ کارفرما ہو، اور ہر فرد اپنے دل کی بات بلاتردد کہہ سکے، جب کہ اس کو خدا کا خوف بھی دامن گیر ہو تو ایسی صورت میں ہر ایک کو اپنی ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ہوگا۔ ہوش مند قیادت اپنے افراد میں روحِ رفاقت کو فروغ دیتی ہے اور اپنے اور کارکنوں کے درمیان کسی بھی نوعیت کے فاصلے پیدا نہیں

اخوت و یک جہتی کا فروغ: جب باہم نصیحت کے عمل کے ساتھ حلقہ، دعوت، قیادت بھی اور افراد بھی، باہم مربوط ہو جائیں تو حقیقی روح اخوت فروغ پاتی ہے۔ وہ سب مل کر کام اور افراد دعوت کے معیار کو بلند کرتے ہیں اور سب کے سب ایک ہی شخص کا دل بن جاتے ہیں۔ یک جان یک قالب ہو جاتے ہیں۔ ہر فرد آئینے کی مانند ہو جاتا ہے جس میں دوسروں کو اپنی ذات نظر آتی ہے' اور ہر شخص خواہ فرد ہو یا قیادت' دوسروں کے ہاں اپنے لیے بڑی محبت کا احساس پاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں باہمی اخوت و یک جہتی فروغ پاتی ہے' باہمی اعتماد بڑھتا ہے' ہر سطح پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور مجموعی طور پر دعوت کا کام تیزی سے آگے بڑھتا ہے۔ یوں نصیحت و خیرخواہی فریضہ اقامت دین کی احسن طور پر ادایگی کے لیے مہمیز کا کردار ادا کرتی ہے اور ہر فرد دل و جان سے اس فرض کی ادایگی میں جُت جاتا ہے۔ (المجتمع' ۲۵ مئی ۲۰۰۲ء)